مولانا ندیم الواجدی

پچھلے پچاس ساٹھ سالوں میں علم وآگہی کے میدان میں جس قدر پھیلاؤ ہوا ہے اسے فشارِ علم سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ تعلیم آج گنے چنوں کی اجارہ داری نہیں رہ گئی بلکہ Internet کی شکل میں صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے۔

دنیا بھر کی کوئی بھی جانکاری ہو بس ذرا انگلی پھرائی دیکھ لی۔ کل علم اور جانکاری ذہنوں اور دلوں تک محدود تھی پر آج کمپیوٹر اور مشینوں میں ہے۔ کل لاکھوں کروڑوں کا حساب چٹکیوں میں حل کردیا کرتے تھے، آج کے تعلیم یافتہ نوجوان کو دو اور دو کو چار کرنے کے لئے بھی Calculator کا احسان اٹھانا پڑتا ہے۔

آج کی ساری معلومات، ساری جانکاری ویڈیو کیسٹ، پین ڈرائیو اور نہ جانے کن کن سائنسی بلاؤں کے شکم میں بھری پڑی ہے، نہیں ہے تو انسان کے ذہن میں نہیں، ہاں دسترس میں ضرور ہے۔

موبائل بلاشبہ ہماری زندگی میں انقلابی تبدیلیاں لایا ہے، اس کے ذریعہ پلک جھپکتے ہم اپنے عزیز یا دوست سے بات کرسکتے ہیں لیکن خط یا نامہ و پیام کی وہ لذت کہاں؟ قاصد دوڑائے جارہے ہیں ساغر انتظار کھینچے جارہے ہیں قیاسات کے گھوڑے رواں دواں ہیں اور بہ زبانِ غالب ؎

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

ادھر علامہ اقبالؔ ہیں کہ جواب نفی کی صورت میں آنے پر پیغام بر سے کرید کرید کر

پوچھ رہے ہیں کہ ؎

تأمل تو تھا ان کو آنے میں لیکن
مگر یہ بتا طرز انکار کیا تھی

بدقسمتی سے ٹیکنالوجی کے بے پناہ دستار نے ہماری تخلیقی صلاحیتوں کو مردہ کردیا ہے مکتوب نگاری کا فن ہم سے چھین لیا ہے، خطوط خیر و عافیت کا وسیلہ ہی نہیں تھا، یہ ایک عظیم تہذیب کا ورثہ تھے۔ ان کے بغیر ہمارا شعر و ادب اور انشاء پردازی ادھوری ہے۔ یہ باقاعدہ ایک صنف تھی۔ خطوط غالب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ غالبؔ اگر شاعر نہ بھی ہوتے تو صرف اپنے خطوط کے سبب سے بھی اتنا ہی مقبول ہوتے۔ خط پورے سماج کا آئینہ ہوتا ہے۔ خطوط ہی کیا یہ بڑے رائٹر کی ہر تحریر پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اچھا قلم کار جب لکھتا ہے تو اس کی تحریر اپنے دور سیاسی، سماجی، معاشرتی، تہذیب وتمدن، رسم ورواج اور زبان ادب کی آئینہ دار ہوتی ہے لیکن انٹرنیٹ وغیرہ کی بے پناہ ترقی نے ہمارے تخلیقی سوتوں کو خشک کردیا ہے۔ ہمیں حسنِ بیان اور ندرتِ فکر کی نعمتوں سے محروم کردیا ہے۔ آج کا قابل سے قابل طالب علم نہ ڈھنگ کا مربوط خط لکھ سکتا ہے نہ ایک پیراگراف۔ حسن اور لطفِ بیان کی اسی معذوری کو نظر میں رکھتے ہوئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

موبائلوں کے دور کے عاشق کو کیا خبر
رکھتے ہیں خط میں کیسے کلیجے نکال کر

غنیمت ہے ابھی ہم جیسے کچھ سر پھرے لوگ باقی ہیں، جن کا قلم سے یارانہ ابھی تک قائم ہے۔

ندیم الوجدی کو میں قلم کے انہی دھنیوں میں شمار کرتا ہوں، ان کے قلم کا سفر آج سے نہیں چالیس سالوں سے بڑی برق رفتاری سے جاری ہے۔ درج ذیل قلمی مہمات پر نظر ڈالیں تو محسوس ہوتا ہے کہ بقول شاعر ؏

لرزے ہے موجِ مے تری رفتار دیکھ کر

(۱)امام غزالی، احیاء العلوم کا عام فہم اردو ترجمہ (کئی ہزار صفحات اور چار ضخیم جلدوں پر مشتمل)(۲)سات عدد ربی کتب پر مشتمل نصاب (۳)معلّم العربیّہ (چار حصے) (۴)اسلام، حقائق اور غلط فہمیاں (۵)نئے ذہن کے شبہات اور اسلام کا موقف (۶)ہمارے مدارس، مزاج اور منہاج (۷)اسلام اور ہماری زندگی (۸) آئینۂ افکار (۹)رشحاتِ قلم (۱۰)مسلمانوں کی ملّی اور سیاسی زندگی (۱۱)آج رات کی تراویح (۱۲)رمضان کیسے گذاریں؟(۱۳)خدا رحمت کند۔

پچھلے کئی سالوں سے ''ترجمانِ دیوبند'' کے نام ایک موقر ماہنامہ پابندی کے ساتھ۔ اس کے علاوہ بھی ان کے طویل مضامین ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، نیا دور لکھنو، آج کل، راشٹریہ سہارا، روزنامہ صحافت، سہ روزہ دعوت وغیرہ میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

حیرت ہے کہ اتنا سب کچھ میدانِ قلم کا یہ شہسوار اپنی تجارتی مصروفیات کے باوجود کیسے کر لیتا ہے؟ کیوں کہ وہ ہندو پاک کے شہرت یافتہ کامیاب اور ممتاز ناشر بھی ہیں۔ واقعی ؎

اللہ اگر توفیق نہ دے انساں کے بس کا کام نہیں

طالب علمی کے زمانہ سے ہی مولانا کی تحریر کے جوہر کھلنے لگے تھے۔ دیواری مجلّہ ''شعور'' کے ایڈیٹر تھے اور مادرِ علمی سے ہی پر اثر اور صاحب طرز خطیب تھے جو انہیں سنتا ان کی خطابت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں بے اندازہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔

مولانا کی دینی و علمی وراثت بھی بڑی شاندار ہے۔ آپ شیخ الحدیث مولانا احمد حسن صاحبؒ کے پوتے اور مشہور محدّث مولانا واجد حسین صاحبؒ کے فرزند اکبر ہیں۔ مولانا شریف حسین صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے بھانجے اور قاری عبداللہ سلیم پسر مولانا محمد نعیم صاحبؒ مقیم امریکہ کے داماد ہیں۔ غرض چاروں اطراف علم کا چرچہ تھا، ایسے بے مثال علمی ماحول میں ندیم الواجدی جیسا ہونہار شخص پروان چڑھے تو وہ جتنا بھی نام آور ہو کم ہے۔

ہیں جو شائستۂ انوار چمک جاتے ہیں
یوں تو ہر ذرہ سے ہے شمس و قمر کا رشتہ

بے پناہ کاروباری مصروفیات کے باوجود لوح و قلم سے اتنا والہانہ رشتہ کسی عجوبہ سے کم نہیں۔ کم از کم اپنی زندگی میں تو میں نے ان جیسا ''متنوع لکھاڑ'' دیکھا نہیں، اگر آج وطن میں ان جیسا دوسرا نظر نہیں آتا تو یہ ان کا جائز حق ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

راقم الحروف کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا کہ مجھے انہیں پڑھنے کا کم ہی اتفاق ہوا ہے، جتنی بہت جانکاری ہے وہ مختلف جریدوں میں ان کو پڑھ کر ہے۔ ان سے ان کی ہمہ جہت دلچسپیوں اور معلومات کا اندازہ ہوتا ہے، ان کی قادر الکلامی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ الفاظ کی تلاش میں انہیں کنوؤں کنوؤں ڈول نہیں ڈالنے پڑتے بلکہ اس خوبی نے ہی ان کے بیان میں طوالت پیدا کر دی ہے۔ یہاں مولانا محمد علی جوہرؔ سے منسوب ایک لطیفہ یاد آ گیا، آپ بھی پڑھ لیں۔ مولانا کی تقریر اور تحریر دونوں بہت مفصل ہوتی تھیں، جو کبھی کبھی قاری/سامع پر گراں بھی گذرتی تھی۔ ایک دفعہ ان کے کسی مداح نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صلاح دی کہ اختصار سے کام لیا کیجئے تو مولانا نے فرمایا ''بھائی! میں بہت مشغول آدمی ہوں، مختصر بات کہنے یا لکھنے کی مجھے فرصت نہیں۔ بادی النظر میں تو یہ لطیفہ لگتا ہے لیکن ان الفاظ میں ایک گہری سچائی پوشیدہ ہے۔ زیادہ گوئی ہنر نہیں عیب ہے۔ کوزہ میں دریا بند کرنا معمولی بات نہیں۔

انگریزی میں ایک کہاوت بھی ہے کہ Brevity is the soul of wit. (اختصار میں ہی ذکاوت ہے)

بہر حال یہ بات تو برسبیلِ تذکرہ آ گئی ورنہ واجدی صاحب کی شخصیت بہت سے معاملوں میں قابلِ تقلید ہے، یہ نہ ہوتا تو عزیزم نسیم اختر شاہ قیصر (جن کی خوبیوں سے احقر بہت مرعوب ہے) یوں کیوں لکھتے:

''مبالغہ نہ سمجھئے اقلیم تحریر کے وہ فرماں روا ہیں جن کی موجودگی میں

دوسروں کی جانب نگاہ نہیں اٹھتی۔ لکھنے والے لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے مگر اس قافلے میں جو شریک ہیں وہ سب ان کے پیچھے ہیں۔''

''مولانا کے بارے میں میرا تأثر یہ ہے کہ ان کی تحریریں اپنی جاذبیت، اپنے اسلوب، اپنے مواد، اپنے طرزِ نگارش کے اعتبار سے ہم سب کی تحریروں پر بھاری ہیں، پھر ان کا قلم جس برق رفتاری اور تیزی کے ساتھ اپنے موضوع کا احاطہ کرتا ہے اور عنوانات کو نئی آب دیتا ہے وہ دوسروں کے بس کا روگ نہیں۔''

اپنی طرف سے اتنا ہی عرض کروں گا کہ ایک جینوئن حاجی جب دوسرے حاجی کے بارے میں اتنا رطب اللسان ہے تو اپنے جیسا چھٹ بھیّا سوائے ایمان لانے کے اور کر بھی کیا سکتا ہے۔ دعا ہے کہ واجدی صاحب کا قلم اسی طرح تا دیر رواں دواں اور تر و تازہ رہے آمین ثم آمین

دوسری سرزمینوں میں دیدہ ور بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہوں گے لیکن اپنے وطن میں تو بفضل تعالیٰ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

* ○ *